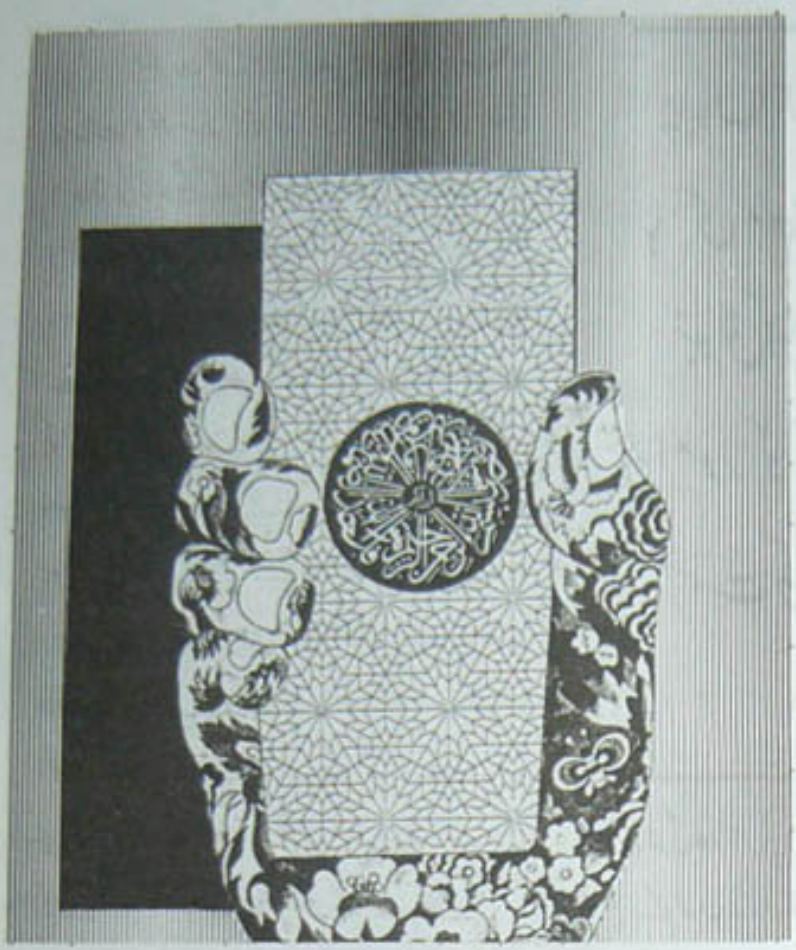

عالم اسلام میں
مذہب اور تمدن کا اتصال

از: حجت الاسلام محمد مجتہد شبستری

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جن اقوام نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا ان کے تمدن کی بقا کا اسلام ضامن رہا اور اسے فنا و نابودی سے محفوظ رکھا۔

یہاں تمدن سے مراد اس کا عام مفہوم ہے۔ کیونکہ جس وقت ہم مذہب و تمدن کو ایک دوسرے کے مقابل لاتے ہیں تو ہماری یہی کوشش ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی ربط و تعلق متعین کریں۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ تمدن کے عام معانی کو ہی مد نظر رکھیں۔ چنانچہ یہاں تمدن سے ہمارا مقصد زندگی کا احساسی و عقلی پہلو ہے۔ یعنی وہ عنصر جو فن نقاشی، موسیقی، ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں نمایاں و جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور یا وہ ارتباطات جو عالم انسانی میں موجود ہیں انہیں وہ وجود میں لائے۔ جیسے قانونی و معاشرتی اصول و ضوابط، آداب و اقدار اور رسومات وغیرہ۔ یعنی یہ وہ چیزیں ہیں جن کی اختراع خود انسان نے کی ہے۔ اور اس کی حقیقت کے معنی کہ انسان بذات خود تمدنی ہستی موجود ہے یہی ہیں کہ انسان تمدن کی خود تعمیر کرتا ہے اور یا اس کے ساتھ وہ زندہ رہتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے کہ ان الہامی مذاہب کے درمیان جن کے ذریعے احکام الٰہی صادر کئے گئے ہیں اور وہ تمدن جو انسان نیز انسانی طرز زندگی کا حامل ہے کیا ربط و تعلق ہے؟ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وحی جو خداوند تعالیٰ کی جانب سے اس کے برگزیدہ بشر پر نازل ہوتی ہے کیا وہ انسانی تمدن کو نفی کر کے خود کسی نئے تمدن کو وجود میں لاتی ہے یا وہ اس انسانی تمدن کی بقا پر اثر انداز نہیں ہوتی؟ اگر اس کی بقا پر وہ اثر انداز نہیں ہوتی تو اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ "بقا" کے معنی کیا ہیں؟ چنانچہ وہ شخص جو کسی الہامی مذہب کا پیروکار ہے اُسے چاہئے کہ اس سوال کا جواب دے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ انسان کو زندہ کس طرح رہنا چاہئے؟

قرآن اور احادیث نبویؐ دین اسلام کے دو بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان کے علاوہ علم فقہ، حرام و حلال کی حدود کو متعین کرتا ہے۔ یہاں ہمیں اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ وہ اقوام جنہوں نے دین اسلام کو قبول کیا ان کے تمدن کے ساتھ دین اسلام نے کیا رویہ اختیار کیا؟ کیا ان سرچشموں نے ان اقوام کے تمدن کو جو دین اسلام پر ایمان لائیں بقا بخشی یا اسے نیست و نابود کر دیا اور اس کی جگہ کوئی نیا تمدن عالم وجود میں آیا؟ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جن اقوام نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا ان کے تمدن کی بقا کا اسلام ضامن رہا اور اسے فنا و نابودی سے محفوظ رکھا البتہ اس بات کا خاص خیال رکھا کہ اس تہذیبی روایت سے بنی نوع انسان کی الٰہی فطرت کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

حضرت محمد مصطفےٰ کے تئیس ۲۳ سالہ زمان رسالت و حکومت کے دوران مسلمانوں کی سماجی و معاشرتی زندگی کے اصول و ضوابط اور قوانین متعین و مقرر ہو چکے تھے۔ اور وہ معاشرتی و سماجی تبدیلیاں جو رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد وقوع پذیر ہوئیں ان سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان اصول و ضوابط اور قوانین کے پس پشت کوئی مناسب شرعی یا قانونی تفسیر و توجیہ ضرور ہونا چاہئے تاکہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب کبھی نئے حالات و واقعات سے وہ دوچار ہوں تو وہ کیا راہ و روش اختیار کریں۔ یہ جدید واقعات معمولاً اسی وقت رونما ہوئے۔ جب کہ ان اقوام نے جن کا تمدن عربوں کے تمدن سے الگ اور جداگانہ تھا' دین اسلام کو قبول کیا۔ چنانچہ جب کبھی کوئی نیا واقعہ مسلمانوں کی زندگی میں پیش آتا اور بعض ایسے واقعات مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہوتے' جو ان کی زندگی میں تبدیلی کا باعث ہوتے تو کوئی نیا سوال ضرور سامنے آجاتا۔ ان حالات کے پیش نظر فقہی اجتہادات کا سہارا لیا جاتا۔ چنانچہ جتنے بھی اجتہادات باہمی معاملات اور سیاسی امور سے متعلق تاریخ اسلام میں پیش آئے وہ تمام نئے سوالات کا ہی جواب تھے۔

فقہی اجتہاد کا کردار یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان تبدیلیوں کو جن کا تعلق انسانی تمدن سے ہے' اس طرح حل و فصل کرے کہ مجموعی طور پر وہ کلام اللہ اور سنت پیغمبرؐ کے عین مطابق ہوں۔ یا بالفاظ دیگر زندگی کی تبدیلیوں کی نگرانی کلام اللہ اور سنت نبویؐ کی روشنی میں کی جاتی اور اس طرح ان تبدیلیوں کو ایک نیا رخ مل جاتا۔ کلام اللہ اور سنت نبویؐ کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ روش زندگی اور طرز تشکیلات زندگی کیا ہیں کیونکہ

یہاں اس ساری بحث و گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاملات اور سیاسی امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور علم فقہ کا کردار یہ رہا ہے کہ معاملات و امور کو منظّم شکل دینے کے ساتھ ہی ان کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی جائے نہ کہ ان کو لغو و باطل قرار دے دیا۔

روش زندگی اور اس کی مختلف تشکیلات خود زندگی اور عوام کے تمدن کے ارتقا سے ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ لیکن کتاب خدا اور سنت نبویؐ ان واقعات کو ناقدانہ نظر سے دیکھتیں اور فقہی اجتہاد ان تبدیلیوں اور واقعات کی اس جانب رہنمائی کرتا جو اسلامی آفاقیت و اقدار کے عین مطابق و ساز گار ہوتیں۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ علم فقہ مسلمانوں کی زندگی میں وارد ہوا۔ یا بالفاظ دیگر علم فقہ کا وجود اس لئے ہوا کہ وہ سوالات کا جواب دے' نہ کہ خود سوالات پیدا کرنے لگے۔ علم فقہ کا وجود ہوا تاکہ وہ ایسا عامل بن سکے جو زندگی کی تبدیلیوں اور اس کے سرچشموں کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کر سکے تاکہ اس کے دھارے بدل دے۔ دستورات و نظامات' سیاسی و اداری تشکیلات اور مسلمانوں کے وہ اقتصادی و اجتماعی مسائل جن کا ذکر سیاسی و مدنی فقہ اسلام میں کیا جا چکا ہے علم فقہ کی پیدائش کا سبب نہیں کیونکہ ان میں سے بعض دستورات و نظامات اور تشکیلات کا تعلق عربوں کی اس اجتماعی زندگی سے ہے جو مکہ اور مدینہ جیسے شہروں میں آباد تھے۔ اور ان میں سے بعض ان اقوام اور ممالک سے متعلق تھے جنہیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اور خود مسلمان ان دستورات کا فائدہ اٹھاتے تھے۔ مثال کے طور پر "بیعت" اور "مشاورت" کی رسم عربوں میں اسلام سے قبل بھی موجود تھی اور اس کا ان میں عام رواج تھا۔ وزارت اور ایوان جیسے عہدے جو بعد میں اسلامی نظام کے اندر داخل ہوئے' اسلام سے قبل دیگر اقوام میں موجود تھے۔ اور انہیں اسلام نے بھی اداری امور میں شامل کر لیا۔ اس کے علاوہ دیگر تمام معاملات جیسے باہمی عہد و پیمان' بیع' کرایہ' ہبہ' صلح' رہن' باہمی تجارت و زراعت' آبیاری' نکاح' طلاق..... وغیرہ کا رواج اسلام سے قبل نہ صرف عربوں بلکہ دیگر معاشروں میں بھی تھا۔ جنگ و صلح کے بارے میں بھی اصول و قواعد موجود تھے۔ ان تمام امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور بعد میں علم فقہ کا دخل صرف اتنا ہی تھا کہ ان کو اسلامی جہاں بینی و اخلاق سے ہم

آہنگ و مطابق کردے۔ اور اگر ایسے آداب و رسوم اور قوانین ہوں جو اسلامی معیار کے منافی ہوں تو انہیں منسوخ کردے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ ایسے مسائل میں کلام اللہ اور سنت نبویؐ کا بنیادی پہلو اجازت سے زیادہ انکار و ممانعت پر مبنی تھا۔ اکثر و بیشتر یہی کہا جاتا تھا کہ فلاں کام کو انجام دئے جانے کی اجازت ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ سود نہ کھانا چاہئے' باہمی معاملات میں ایک دوسرے کو دھوکا نہ دینا چاہئے' ظلم کی بنیاد پر اپنی طاقت و اقتدار کا استعمال نہ کرنا چاہئے' دولت کا چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہوجانا عام لوگوں کے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ نیز اسی قسم کے دیگر امور۔ غرض یہاں اس ساری بحث و گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاملات اور سیاسی امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور علم فقہ کا کردار یہ تھا کہ معاملات و امور کو منظم شکل دینے کے ساتھ ہی ان کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی جائے نہ کہ ان کو لغو و باطل قرار دیا جائے۔ چنانچہ فقہاء انہی افکار کی بنیاد پر عمل کرتے رہے۔ وہ انسان کی زندگی میں آنے والے ان تغیرات کی حرکت کے قائل تھے جس کا درس انہوں نے کلام اللہ اور سنت نبویؐ سے حاصل کیا تھا۔

یہاں علم فقہ کی ایسی دو کتابوں کا ذکر کردینا ضروری ہے جو چوتھی صدی ہجری میں تالیف کی گئی تھیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب فقہاء کے سامنے مسلم اقوام کی زندگی کے تغیر و تبدل پذیر مسائل آتے تھے تو وہ کس طرح حقیقت پسندانہ طور پر ان مسائل کو حل و فصل کرتے تھے۔ ان دو کتابوں میں سے ایک کا نام "المبسوط" ہے جس کی تالیف مشہور و معروف فقیہ و متکلم شیخ طوسی نے کی تھی۔ موصوف اس کتاب کے آغاز میں رقمطراز

فقہی اجتہاد کا کردار یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان تبدیلیوں کو جن کا تعلق انسانی تمدن سے ہے' اس طرح حل و فصل کرے کہ مجموعی طور پر وہ کلام اللہ اور سنت پیغمبرؐ کے عین مطابق ہوں۔

ہیں: علم فقہ کے بارے میں مسلمانان اہل سنت والجماعت فقہاء نے بہت سی کتابیں مرتب کی ہیں۔ جن میں بیشتر فروع کے جوابات دئے گئے ہیں (اہل سنت والجماعت کے جن فقہی فروع کی جانب شیخ طوسی نے اشارہ کیا ہے وہ ان جوابات پر مشتمل ہیں جو اہل سنت والجماعت کے سامنے سوالات کی صورت میں سیاسی' سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں کے باعث مسلمانوں کے سامنے آتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ایران میں عنان اقتدار حکومت اہل سنت کے ہی ہاتھ میں تھی۔) اور میں یہ کتاب مبسوط لکھ کر انہی سوالات اور دیگر سوالات کا جواب اس شیعہ نظریہ کی رو سے دے رہا ہوں جس کے اصول و مبانی مسلک تشیع پر قائم ہیں۔ میں یہاں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ شیعہ فقہ کی ظرفیت انتہائی وسیع ہے اور اس میں زندگی کے تمام حقائق و واقعات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کے کہنے سے شیخ طوسی کا یہ مقصد نہیں کہ شیعہ علم فقہ محض نظری اعتبار سے نہایت ہی وسیع اور معلومات سے لبریز علم ہے۔ (موصوف چوتھی صدی ہجری کے دوران شہر بغداد میں زندگی بسر کررہے تھے۔ اس زمانے میں بغداد اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز اور علم و دانش کا گہوارہ تھا۔ نیز اس کا شمار اس زمانے میں ایک عالمی شہر کی حیثیت سے ہوتا تھا۔) شیخ طوسی نے جو کچھ کہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ فقہ میں واقعیت زندگی کے ساتھ ہم آہنگی و سازگاری کی بدرجہ اتم استعداد و صلاحیت موجود ہے۔

دوسری کتاب "الطرق الحکمة" ہے جو ابن قیم کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بھی بہت زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ یہ مشہور و معروف فقیہ بھی چوتھی صدی ہجری میں بقید حیات تھے۔ موصوف نے یہ مفصل کتاب اس امر کی وضاحت کرنے کے لئے تالیف کی تھی کہ مسلمانوں سے متعلق امور کے نظم و نسق کے لئے حاکم و قاضی وقت کے دست اختیار پر کوئی بندش نہیں ہونی چاہئے کیونکہ فقہی اصول و موازین اس امر کے مقتضی ہیں کہ حاکم و قاضی کو واقعیت زندگی کے تابع ہونا چاہئے۔ عالم اسلام میں مذہب اور تمدن کے درمیان یہی باہمی ہم آہنگی و سازگاری تھی۔ اسی لئے آج ہمارا بھی یہ ہی فرض ہے کہ انسانی مسائل اور انسانی تمدن کی واقعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اصلاح و انتظام کا وہی شیوہ اختیار کریں جو قدماء کے پیش نظر تھا۔ اور انہیں لغو و باطل قرار دینے کے بجائے صحیح راستے پر رواں کریں۔